عبدالقادر جیلانیؒ (۴۷۰۔۵۶۱ھ)

عذرا وقار

پس منظر

شیخ عبدالقادر جیلانی صوفیانہ سلسلوں میں سب سے پہلے تشکیل پانے والے قادریہ سلسلے کے بانی ہیں۔اس سے بیشتر اسلامی دور کی پہلی پانچ صدیوں کے دوران تصوف کہلایا جانے والا مذہبی تجربہ محض انفرادی سطح پر ہی موجود رہا۔[1]تصوف مذہبی اور روحانی تصورات کے بارے میں ایک مخصوص سوچ اور احساس کا نام ہے جو کہ اسلام اور قرآن کے معاملات میں عقلیت پرستی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی سطحیت اور ظاہر داری کے خلاف ایک ردعمل تھا۔ نفسیاتی طور پر یہ دوسروں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے یا قرآن کریم اور حدیث کی دوسروں کی بتائی گئی تفسیر کو قبول کرنے کے بجائے خود مذہبی تجربہ حاصل کرنے اور اپنے طریقے سے ان کو سمجھنے کی خواہش کا اظہار تھا۔اسلام کی لگ بھگ تمام مذہبی تحریکیں کسی نہ کسی سیاسی تناظر سے ابھری تھیں اور یوں تصوف بھی کوئی استثناء نہیں رکھتا تھا۔سب سے پہلے حسن بصریؒ (و۔۷۲۸ء) نے اموی حکمرانوں کی مخالفت کے ساتھ ساتھ ایک منظم داخلی زندگی کے امتزاج کی مضبوط اسلامی روایت کا آغاز کیا۔جس کی بنیاد قرآن پر گہرے غور وخوض کا درس تھا۔ بعدازاں تصوف کئی گروہوں کی شکل میں ابھرا اور اس میں سیاسی رنگ بھی شامل ہوگیا۔تاہم اس کی جڑیں زہد میں تھیں جو کہ اموی دور میں اسلامی معاشرے میں بڑھتی ہوئی دنیاداری اور تعیش پسندی کے خلاف ردعمل کے طور پر سامنے آیا۔ یہ امت کی اولین سادگی کو دوبارہ اپنانے کی کوشش تھی کہ جب تمام مسلمان مساویانہ حیثیت سے زندگی بسر کیا کرتے تھے۔تصوف فقہ کے خلاف بھی ایک امکانی ردعمل تھا جس کے بارے میں مسلمانوں کا خیال تھا کہ وہ اسلام کو خالصتاً خارجی قوانین کے ایک مجموعے کی حد تک گھٹا رہا ہے۔[2]

صوفیاء اور اہل فقہ حضرات میں تصادم اور فقہی مسائل پر مختلف آراء پر بحثیں آنے والے دور میں شدت اختیار کر گئیں چنانچہ تاریخی حالات نے صوفیاء کے سامنے ایک سوال یہ بھی لا کھڑا کیا کہ زہد و تصوف کے عناصر کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ کس طرح کیا جائے۔ شیخ کے استاد ابن عقیلؒ نے تصوف کی ضرورت وافادیت سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد متشدد اور کٹر حنبلیوں نے کئی دفع تصوف کے متعلق یہی روش اختیار کی۔ ان سے پہلے کی صدی میں ایک نزاع جو مدت سے جاری تھی، نے بہت شدت اختیار کر لی تھی جس سے اسلامی معاشرے کا ہر فرد متاثر ہو رہا تھا۔ نزاع یہ تھی کہ آیا انسان کو ایسا مسلک لادینی اختیار کر لینا چاہیے کہ وہ دین کی طرف سے بے پرواہ ہو جائے اور محض رسمی اور رواجی طور پر مسلمان کہلائے یا اسے ایسا دین عقل پرست اختیار کرنا چاہیے جو اہل دین کے مسلمات وعقائد سے متصادم ہو۔ ادبی کتابوں میں لاتعداد شکائتیں ایسی ملتی ہیں کہ جن میں دنیا کی کشش کے مقابلے میں یاس وافسوس کا اظہار کیا گیا بلکہ فقہی مذہب کے پول کے بارے میں بھی اظہار کیا گیا ہے اور اسے مردہ علم جو مردہ لوگوں سے اوروں کو پہنچایا گیا تھا، کہا گیا۔ اسی سبب سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے پہلی پشت کے لوگوں میں تصوف نے اپنے روحانی وجذباتی اثر کی وجہ سے ایک ہمہ گیر تحریک کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ [۳]

عباسی دور میں اسلام کا مرکز ثقل شام سے عراق میں آ گیا۔ پہلے تو خاندان عباسیہ نے حکومت کی پھر پانچ صدیوں تک عالم اسلام کے بیشتر حصے میں وہ خلیفہ تسلیم کیے جاتے رہے۔ ان کی حکومت کا دور ۱۳۲ھ۔۷۵۰ء سے لے کر ۶۵۶ھ۔۱۲۵۸ء تک تھا۔ اس کے آغاز میں خلیفہ کا اقتدار انتہائی عروج پر پہنچا پھر رفتہ رفتہ انحطاط پذیر ہوتا گیا اور عسکری قائد سامنے آتے رہے جو اپنی فوج کے بل پہ حکومت کرتے رہے۔ دوسرے دور میں بجز ایک استثنا کے تمام خلفا محض برائے نام حکومت کرتے رہے اور اصل قوت فوجی امراء کے ہاتھ آ گئی۔ نویں صدی کے اواخر اور دسویں صدی کے اوائل میں جو مستقل ہنگامے اور انقلابات وقوع پذیر ہوتے رہے ان سے یہ کشاکش انتہا تک پہنچ گئی اور خلفاء کو

مبارزت طلب گروہوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ بغداد میں یہ مقابلہ پر امن معلمین اخلاق اور صوفیوں کی شکل میں ابھرا۔ پانچویں صدی ہجری تک عالم اسلام میں سیاسی وفکری ضعف واضمحلال اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔ عہد اموی میں جاہلیت کی رخصت اور بعد کے ادوار میں خلق قرآن، اعتزال، فلسفہ ملحدانہ اور باطنیت کے فتنوں نے اہل اسلام کے خواص میں تشکیک والحاد اور عوام میں عملی بے راہروی کے بیج بودیے تھے۔ سابقہ صدیوں میں بھی مصلحین امت نے عظیم تجدیدی کام کیا۔ تاہم چوتھی ہجری اور کے آخر اور پانچویں صدی کے نصف اول میں امام غزالیؒ اور عبدالقادر جیلانیؒ تاریخ اسلام کے دو نہایت بلند پایہ مصلحین ابھرے۔ غزالیؒ کی فکری تحریک سے تشکیک والحاد کے فتنے کا خاتمہ ہوا لیکن جمہور امت میں بے یقینی اور بے عملی کے روگ کا مداوا ابھی باقی تھا۔ یہ عظیم کام شیخ عبدالقادر جیلانی نے کیا۔ جنہوں نے اپنے علم روحانیت اور زور خطابت سے اپنے اصلاحی کام کو پوری طرح مؤثر بنا دیا۔ حضرت شیخؒ کے بعد آنے والے اکثر ممتاز صوفیاء نے روحانیت اور سلوک میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اعلیٰ مقام کا تذکرہ کیا ہے۔ ان صوفیاء میں قادری بزرگوں کے علاوہ چشتی، سہروردی اور نقشبندی سلسلوں کے بزرگ بھی شامل ہیں۔

اسلامی فقہ کے چار بڑے امام، امام ابوحنیفہ امام (۸۰ھ) امام ابو مالک (۹۳ھ) امام شافعی (۱۵۰ھ) اور امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ) تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور ان کے استاد قاضی ابوالسبارک امام احمد بن حنبلؒ کی فقہ کے پیروکار تھے۔ امام صاحب نے حدیثوں کو ایک مقام پر جمع کیا۔ اس مجموعے کا نام 'المسند' ہے۔ آپ محدث، مفسر، شارح اور فقیہہ تھے۔ آپ بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ پیروی سنت کے قائل تھے اور دین کے معاملے میں کسی قسم کا اختلاف پسند نہ کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے فقہ کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی، کلام اللہ، صحابہ کے فتوے، قرآن و سنت سے مطابقت، قوی حدیث وقیاس۔ ان کے زمانے میں نئے نئے فرقے بن رہے تھے۔ عام لوگوں میں کئی مسائل جیسے ایمان کی صفت، مسئلہ تقدیر، گناہ کبیرہ، اللہ کا دیدار وغیرہ پر بحث ہوتی رہتی تھی۔ حنبلی فقہ کے ماننے والے کم رہے

تھے کیونکہ یہ اجتہاد پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اس کے پھیلاؤ میں جو چیز سب سے بڑی رکاوٹ رہی وہ اس کی انتہا پسندی تھی۔ حنبلی فقہ کے ماننے والوں کو وہابی بھی کہا جاتا ہے۔ اس مذہب کی اشاعت ۱۲۰۰ھ میں امام محمد بن عبدالوہاب نے کی جو امام حنبلؒ کے بہت بڑے پیروکار تھے۔[۴]

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی پیدائش سے دو برس قبل ۴۶۸ھ میں ذات باری کی تنزیہ وتجسیم کے مسئلہ پر بغداد کے حنابلہ اور اشاعرہ کے درمیان سخت فساد ہو گیا۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ امام ابونصر شافعی نے مدرسہ نظامیہ میں وعظ کیا اور اشاعرہ کی حمایت میں حنبلہ کے عقائد پر کچھ طعن وطنز کیا۔ اس پر وہ بگڑ گئے اور مدرسہ نظامیہ کے بازار پر حملہ کر کے اپنے بعض مخالفین کو قتل کر دیا۔ دو سال بعد پھر تصادم ہوا۔ نظام الملک نے اس ہنگامے کا بانی مقتدی کے وزیر فخر الدولہ کو قرار دیا اور اس کی معزولی کا مطالبہ کیا اور امام ابونصر شافعی سے کوئی تعرض نہ کیا اور انہیں عزت واحترام کے ساتھ نیشاپور بھیج دیا۔[۵] اس ایک واقعہ سے اس دور کے فقہی جھگڑوں کے بارے میں اندازہ لگانا دشوار نہیں۔ اس کے علاوہ سیاسی سطح پر سلجوقی آپس میں لڑ رہے تھے۔ جس سلطان کی طاقت بڑھ جاتی اسی کے نام کا خطبہ پڑھنا شروع کر دیا جاتا اور عباسی خلیفہ دم نہ مار سکتا۔

حالات زندگی

آپ کی ولادت باسعادت یکم رمضان المبارک ۴۷۰ھ بمطابق ۱۰۷۸ء، ایران کے صوبہ طبرستان کے نواحی شہر جیلان میں ہوئی۔ ان دنوں اسلامی دنیا کے بڑے حصے پر سلجوق خاندان کا تیسرا فرماں روا ابوالفتح ملک شاہ مفر الدین متمکن تھا اور بغداد میں عباسی خلیفہ، المقتدی بامرللہ، حکمران تھا۔ سیدنا غوث اعظمؒ والد کی نسبت سے حسنی اور والدہ کی جہت سے حسینی ہیں۔ والد ماجد کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب گیارھویں پشت میں حضرت امام حسن علیہ اسلام اور والدہ ماجدہ کی جانب سے اٹھارھویں پشت میں حضرت امام حسین سے جاملتا ہے۔ حضرت غوث اعظمؒ کم سنی ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ تب اپ کے نانا حضرت عبداللہ صومعیؒ نے آپ کی تربیت کی۔ سترہ برس کی عمر تک آپ جیلان ہی

میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور ابتدائی درسی و دینی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد اٹھارہ برس کی عمر میں والدہ سے اجازت لے کر ثانوی تعلیم کے لیے بغداد چلے گئے۔[۶] بغداد تشریف آوری پر ۴۸۸ھ۔۱۰۹۵ء سے ۴۹۶ھ۔۱۱۰۲ء تک یعنی سات برس آپ مدرسہ نظامیہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ یہ خلیفہ ابوالعباس مستظہر باللہ کا دور حکومت تھا۔ مدرسہ نظامیہ میں آپ نامی گرامی اساتذہ کے درس میں شریک رہے۔ فنون اور ادب کی تعلیم التبریزیؒ سے حاصل کی اور حنبلی فقہ کا درس نامور فقیہہ حضرت ابوالوفا بن عقیلؒ سے لیا۔ دیگر اساتذہ میں قاضی ابوالسعید المبارک المخرمی اور محمد جعفر الراج شامل ہیں۔ سب سے آخر میں تفسیر اور حدیث کی تکمیل فرمائی اور عربی ادب کا مطالعہ کیا۔ آپ کا حافظہ بہت تیز تھا، جو کچھ پڑھتے ذہن میں محفوظ ہو جاتا۔ تعلیم اور اس کے بعد کا ایک طویل زمانہ بڑی عسرت میں بسر ہوا۔ قحط سالی کے کڑے ایام آئے۔ فاقوں پہ فاقے برداشت کیے۔ عراق کے بیابانوں اور ویرانوں میں تنہا گھومتے رہے اور دریائے دجلہ کے کنارے اگی ہوئی جڑی بوٹیاں چبا کر بھوک مٹاتے رہے۔[۷]

اگرچہ اس سے پیشتر بغداد کو علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا مرکز ہونے کا شرف حاصل تھا تاہم یہی مرکز اب اخلاقی انحطاط اور لادینی کا گہوارہ بھی بن گیا تھا۔ اسلامی تصوف میں عجمی تخیلات سے جو تبدیلی رونما ہوگئی تھی حضرت غوث پاکؒ اس سے سخت کبیدہ خاطر رہا کرتے تھے۔ بالخصوص بغداد اور اس کے آس پاس کا ماحول اتنا مکدر تھا کہ آپ کو اس سے اذیت ہوتی اور اکثر آپ کا لہجہ تلخ ہو جاتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پانچویں صدی ہجری کا نصف آخر اخلاقی اور دینی لحاظ سے بہت پست تھا۔ گلی کوچوں میں مے و مینا کے جام لنڈھائے جاتے تھے مغرب اخلاق حرکتیں کی جاتی تھیں چنانچہ اس مسموم فضا کے خلاف جہاد کی ضرورت پیش آتی اور حضرتؒ کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپؒ گیارہ برس صحراؤں کی خاک چھانتے رہے۔ ۴۸۸ھ میں ۲۶ برس کی عمر میں آپ نے صحرا کی راہ لی اور وسیع و عریض بے آب و گیاہ بیابانوں کو اپنا مسکن بنا لیا۔ دن رات ہولناک دشت و

بیابان، جنگلات، ویرانوں اور خرابات میں پھرتے رہے۔شب بیداری کرتے اور کبھی کھانے سے اور کبھی پانی سے پرہیز کرتے۔خود سے بے خبر ہو جاتے اور یہ معلوم نہ ہوتا کہ کہاں پھر رہے ہیں۔ جب ہوش آتا تو آپ کو کسی دور دراز جگہ پر پاتے۔ایک بار ایسی کیفیت ہوئی کہ بے خبری کے عالم میں بھاگتے بھاگتے ایک شہر میں پہنچ گئے جو بغداد سے بارہ دن کی مسافت تھا۔گیارہ برس بعد آپ بغداد واپس آ گئے۔ [8]

آپ نے فرمایا:

> گیارہ برس تک میں برج عجمی میں مجاہدہ کیا۔اس دوران چالیس روز ایسے بھی گذرے کہ میں نے نہ کھانا کھایا نہ پانی پیا۔ [9]

اور فرمایا:

> جن باتوں سے میں بھاگتا تھا انہیں کے درمیان آنا پڑا۔بغداد واپس آ کر انہوں نے تبلیغ ودرس دینا شروع کر دیا۔ [10]

عباسی خلافت کا زمانہ بڑا علم نواز تھا۔بغداد کی نظامیہ یونیورسٹی اسی دور میں بنی جو نظام الملک کی ذاتی دلچسپی کا نتیجہ تھا۔مگر سلطان ملک شاہ کی وفات ۴۸۵ھ/۱۰۰۲ء کے بعد جانشینی کی جنگ شروع ہوگئی جس سے ملک میں لاقانونیت کا دور دورہ شروع ہوگیا۔پھر دو واقعات جنہوں نے مسلم دنیا کے سماجی اور سیاسی ڈھانچے کو تہہ وبالا کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا ان میں سے ایک حسن بن صباح کا عروج اور دوسرے صلیبی جنگوں کا آغاز تھا۔اسی دور میں حضرت عبدالقادر جیلانیؒ بغداد میں موجود تھے جب ۴۹۶ھ میں آپ نے علوم کی تکمیل کی تو اس وقت باطنیوں کا فتنہ عروج پر تھا یہاں تک کہ حجاج کے قافلے بھی محفوظ نہ تھے۔ [11]

آپ کے علم وفضل کا جب چاردانگ عالم میں شہرہ ہوا تو ہر طرف سے بکثرت استفساء آنے لگے۔آپ بالعموم مذہب حنبلی اور مذہب شافعی کے مطابق فتوی دیتے۔فتوی نویسی کی سرعت کا یہ عالم تھا کہ کبھی کوئی استفتاء آپ کے پاس

رات بھی نہیں رہا اور نہ کبھی آپ کو فتوی دینے میں غور و خوص کی ضرورت پیش آئی۔ آپ استفتاء پڑھتے ہی اس کا جواب تحریر کر دیتے۔ علمائے عراق آپ کے فتاوی کی صحت اور جواب کی سرعت پر بے حد تعجب کرتے اور بہت تعریف کرتے۔[۱۲]

ایک موقعہ پر فرمایا:

لوگو میرے کلام سے مت بھاگو کیونکہ اللہ کے دین میں مجھے سختی نے پرورش کیا ہے۔ میرا کلام سخت اور تند ہے لیکن جو شخص مجھ سے اور مجھ جیسوں سے بھاگے گا نجات نہیں پائے گا۔ اور فرمایا: کون عقل مند ہوگا جو اس شہر میں رہے اور اہل شہر سے میل جول اور التفات بڑھائے جس میں ریاکاری نفاق اور ظلم کی اتنی کثرت ہو مگر میں مشیت کے کارن یہاں قیام پر مجبور ہوں۔

فرمایا: اے باشندگان بغداد تمہارے اندر نفاق بڑھ گیا اور اخلاق کم ہو گیا۔ اقوال بڑھ گئے اعمال کے بغیر اور عمل کے بغیر قول ایسا ہے جیسے مکان دروازے کے بغیر۔ یا محض دعویٰ ہے گواہ کے بغیر صورت ہے روح کے بغیر یا بت ہے ہاتھ پاؤں سے عاری۔ ایک روز فرمایا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی دیواریں گر رہی ہیں۔ زمین کے باشندو آؤ گرے کو بنائیں اور پڑے کی مرمت کریں۔[۱۳]

جس بات پر آپ سب سے زیادہ بے چین رہا کرتے وہ اس زمانے کے نقلی مشائخ کی گرم بازاری تھی۔ لوگ پہلے ہی تباہ حال تھے کچھ گندم نما جو فروش اپنے جعلی کاروبار کو فروغ دینے کے لیے ملت کے تابوت میں آخری میخیں جڑ رہے تھے۔ لوگ بے عملی اور بے دینی کی طرف میلان رکھتے تھے اور یہ حضرات اس جنس کے سوداگر تھے اور لوگوں کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے ایسے ہی دلالوں کی ضرورت تھی۔ تمام علما جاہل تھے اور زاہدوں کو دنیا کی طلب تھی جو حق تعالی کے سوا دوسروں پر بھروسہ رکھتے تھے۔[۱۴]

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فنی اور اصطلاحی پیچیدگیوں سے ہٹ کر تصوف کو واضح اور سادہ اسلوب دیا۔ ان کی تالیفات اس اعتبار سے صوفیانہ ادب میں بڑا مقام رکھتی ہیں کہ انہوں نے تصوف کی زبان کو عام فہم بنایا اور تصوف

کے دروازے بھی عام لوگوں پر کھول دیے اور ثابت کر دیا کہ تصوف وطریقت پر محض اہل خلوت کی اجارہ داری نہیں۔ شیخ تصوف میں پر اسرار رمزیت (جو باطنیہ فرقے یا غیر متشرع متصوفین کو تقویت پہنچاتی تھی) کے خلاف تھے۔ وہ طریقت کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ اور کھلی شاہراہ کی طرح کشادہ دیکھنا چاہتے تھے۔[15] ۵۱۱ھ میں آپ حضرت شیخ ابوسعید مبارکؒ سے بیعت ہوئے۔ انہوں نے آپ کو خرقہ عطا کیا جو کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو عطا فرمایا تھا اور سلسلہ بہ سلسلہ حضرت ابوسعید مبارکؒ تک پہنچا تھا۔[16]

آپ چھ برس تک واعظ درس و تدریس میں مصروف رہے۔ اس کے بعد آپ کے شیخ ابوسعید المخرمی نے اپنا مدرسہ آپ کے حوالے کر دیا۔ آپ مشاغل میں درس، تفسیر، حدیث، فقہ کی تعلیم شامل تھی۔ آپ کے وعظ سن کر بے شمار لوگ آپ کی طرف کھنچے چلے آتے اور بہت سے یہودی اور عیسائی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس سلسلہ وعظ و درس کا اثر ایک تحریک سے زیادہ ثابت ہوا۔ ان کا وعظ سن کر کئی شرکاء بے ہوش ہو جاتے۔ وہ حکم حق کے اظہار میں بے باک تھے جس سے دربار خلافت بھی متاثر ہوتا۔[17]

حضرت شیخ کو دنیائے اسلام میں محی الدین کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہی تھا کہ آپ نے احیائے اسلام کے لیے بے مثال جدوجہد کی۔ آپ نے اپنی زندگی کا مقصد توحید وسنت کا احیاء و اشاعت اور اصلاح معاشرہ قرار دے لیا اور اپنی تمام تر کوششیں اسی بلند ترین نصب العین کے لیے وقف کر دیں۔ آپ کے فیوض وہدایات سے روحانی تعلیم تربیت سے آپ کی زندگی میں ہی دنیا کا گوشہ گوشہ جگمگا رہا تھا۔ آپ کی مجلس وعظ ہوتی یا خانقاہ کی خلوت، مدرسے کے اوقات درس وتدریس ہوتے یا مسند افتاء، ہر جگہ آپ کی جدوجہد احیائے دین ہی کے گرد گھومتی رہی۔ اسلام کی اس وقت کیا حالت تھی اس کا اندازہ کے ملفوظات سے لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت غوث عبدالقادر جیلانیؒ ان انسانوں کے سامنے جو تقدیر کی طاقت کو ایک مستقل خطرہ محسوس کرتے رہے ہیں انسان کی مثالی شکل پیش کرتے یعنی ایسے ولی کو جو اپنے عارضی وجود پر غالب آ کر حقیقی ہستی کو پالیتا ہے ایسا شخص تقدیر اور موت کے خوف پر بھی قابو پالیتا ہے کیونکہ وہ ایسی ذات کے ساتھ واصل ہو جاتا ہے جس کے ہاتھ میں تقدیر اور موت کی کنجیاں ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے جس تصوف کی تعلیم دی ہے وہ نفس کے خلاف جہاد کرنے پر مشتمل ہے اور جہاد بالسیف سے افضل و اکبر ہے۔ اسی طرح شرک خفی پر یعنی اپنے نفس کے بت کی پرستش پر اور دیگر مخلوقات کے اصنام پر غلبہ حاصل کرنے اور ہر خیر و شر میں اللہ کی رضا کو کارفرما دیکھنے اور اس کی شریعت کے مطابق اس کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے تصوف قرار دیتے ہیں۔ [۱۸]

خطبات

حضرت کے خطبات ۵۲۱ھ سے ۵۶۱ھ تک چالیس برس بغداد کی فضاؤں میں گونجتے رہے۔ درس و تدریس کے علاوہ آپ کی خطابت کے اعجاز نے ہواؤں کا رخ بدل دیا۔ آپ کی آواز میں دلکشی، تیزی اور بلندی پائی جاتی تھی۔ سننے والوں کے دلوں میں رغبت کے ساتھ ہیبت بھی طاری ہو جاتی۔ آپ شریعت کی پابندی کا دل و جان سے خیال رکھتے۔ آپ کے خطبات ''فتوح الغیب'' اور ''فتح ربانی'' کے نام سے کتابی شکل میں محفوظ ہیں ان کے مطالعہ سے آپ کی عالمانہ عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ خطبات اسلامی ادب کی بے نظیر تخلیق اور فصاحت و بلاغت کی جان ہیں۔ ان میں مذہبی رواداری کے علاوہ انسان دوستی کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے۔ جنہیں پڑھ کر قلب پر روحانی فیض کی بارش ہونے لگتی ہے۔

شیخ کی مجلس وعظ قاضی ابوسعید المخرمی کی درس گاہ میں منعقد ہوتی جہاں شائقین کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ اس مدرسے میں بعد ازاں توسیع کرنی پڑی۔ ان کی مجلس میں صدہا اہل قلم، قلم اور کاغذ لے کے بیٹھتے اور عامتہ الناس کے

رجوع کا یہ عالم تھا کہ گویا سارا بغداد شیخ کی مجلس وعظ پر امنڈ آتا تھا چنانچہ درس گاہ میں ناکافی جگہ ہونے کے باعث شیخ کی مجلس وعظ، شہر سے باہر عیدگاہ بغداد کے کھلے احاطے میں منعقد ہونے لگی جہاں اہل بغداد کے علاوہ دیگر بستیوں کے لوگ بھی گھوڑوں پر سوار ہوکر آتے۔ سواروں کی صفیں مجلس کے اردگرد، فصیل شہر کی صورت اختیار کر لیتیں۔ شیخ کے مواعظ کے پیچھے یہ احساس کارفرما نظر آتا کہ ملت اسلامیہ زوال کی زد پر ہے جس سے بچاؤ کے لیے دوسری کوئی قوت عالم اسلام میں سرگرم عمل دکھائی نہیں دیتی۔ خطیب کا یہ احساس اس جذبے میں تبدیل ہوجاتا ہے کہ عالم اسلام کے مرکز بغداد میں کھڑے ہوکر کم ازکم ایک صدائے درد بلند کی جائے۔ انہوں نے مختلف خطبات میں اس بات پر زور دیا کہ سماجی تباہی مادیت پرستی کا نتیجہ ہے اور انسان میں توازن تب ہی پیدا ہوتا ہے جب کہ انفرادی روحانی ترقی اور مادی ترقی برابر کی شریک ہوں۔ مگر انہوں نے ردعمل کے طور پر دینی اقدار کی اہمیت پر کچھ ضرورت سے زیادہ ہی زور دے ڈالا۔ مثال کے طور پر انہوں نے ایک وعظ میں لوگوں کو تلقین کی کہ وہ دنیا سے بالکل کنارہ کر لیں تاکہ اپنی خواہشوں اور امنگوں کو مار ڈالیں اور فنا کو اپنا لیں۔ [19]

اپنے زمانے کے فقہی مسائل پر انہوں نے اپنی رائے دی جیسے انہوں نے خلق قرآن کے مسئلہ پر اس طرح اظہار کیا:

> ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ کا کلام، اسکی کتاب، اس کا خطاب اور اس کی وحی ہے۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے خواہ وہ حافظوں کے سینوں میں ہو یا بولنے والوں کی زبانوں پر، چاہے وہ لکھنے والوں کے ہاتھوں میں یا دیکھنے والوں کی نگاہوں میں، وہ اہل اسلام کے مصحفوں میں ہو یا بچوں کی تختیوں میں، ہر جگہ اللہ کا کلام ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ قرآن مخلوق ہے یا اس کی عبادت یا تلاوت قرآن نہیں۔ اسی طرح اگر وہ کہے قرآن کے ساتھ میرا تلفظ کرنا مخلوق ہے تو ایسا شخص کافر ہے اگر وہ توبہ کرے تو بہتر ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ لوگ اگرچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت اور آپ کے الفاظ سنتے ہیں مگر اللہ تعالی نے قرآن کے ساتھ آپ کے تلفظ اور قرأت کو قرآن فرمایا۔ چنانچہ قرآن کریم عبارت نہیں ہے۔ [20]

فرقہ معتزلہ کے بارے میں انہوں نے لکھا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ بہشت اور دوزخ دونوں مخلوق ہیں اور یہ دونوں گھر ہیں۔ ایک کو خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کے ثواب اور انعام کے واسطے بنایا ہے جو اس کے فرماں بردار اور ایماندار ہیں اور دوسرا ان کی سزا اور عذاب کے واسطے جو گنہگار اور سرکش ہیں۔ معتزلہ فرقہ کے لوگ ان کے وجود سے انکار کرتے ہیں اس لیے یہ لوگ بہشت میں نہیں جائیں گے اور یہ دنوں جب سے پیدا کی گئی ہیں تب سے باقی ہیں ان کو کبھی فنا نہیں اور یہ بہشت وہی ہے جس میں حضرت آدم اور حوا علیہ السلام اور شیطان رہا کرتے تھے اور پھر اس سے نکالے گئے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ بہشت جس کی چوڑائی زمین اور آسمان کے برابر ہے پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور فرمایا کہ اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے واسطے تیار کی گئی ہے۔ [۲۱]

ایک خطبے میں قرب الٰہی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ کا قرب ہی سب سے بڑی نعمت ہے اس جیسی نعمت پوری کائنات میں نہیں ہے۔ جسے یہ حاصل ہو جاتی ہے وہ بے نیاز ہو جاتا ہے مگر یہ کسی عطا سے حاصل ہوتی ہے خود بخود حاصل نہیں ہوتی جب اللہ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے تو ہر چیز پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے یہاں تک کہ چرند پرند بھی تابع ہو جاتے ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا کہ وہ لوگوں کو اللہ عزوجل سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کرنے اور ظاہر میں شریعت مطہرہ کی پابندی کرنے اور سینہ کو تمام آلائش سے مطہر کرنے اور سخاوت نفس اور بشاشت چہرہ اور بذل عطیات اور اذیت دینے سے باز رہنے اور مفقطمات مشائخ اور ساتھیوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے اور چھوٹوں کو نصیحت کرنے اور رفقاء سے ترک خصومت کرنے اور تنگ دستی کو برداشت کرنا اور ایثار کو لازم کرنے اور حال کو اکٹھا کرنے سے الگ رہنے اور نامحرموں کی محبت ترک کرنے اور دینی و دنیوی امور میں اللہ کے بندوں کی امداد کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔ [۲۲]

تصانیف

خطبات کے علاوہ آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں یہ کتب شامل ہیں۔ الغنیۃ الطالبین، الفوضات الربانیہ، بشائرالخیرات، تحفۃ المتقین، حزب الرجاء، الکبریت، مراتب الوجود، لداقیت الحکم۔

غنیۃ الطالبین آپ کی ہمہ گیر تحریری کاوش ہے جس میں دینی اخلاقی شرعی اور عارفانہ مسائل کو دلآویز پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے جس کا مغل بادشاہ جہانگیر کے عہد میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے فارسی میں ترجمہ کیا۔ 'غنیۃ الطالبین، کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی شرعی مسئلہ ایسا نہیں جو اس میں لکھنے سے رہ گیا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ آپ نے اس میں زہد و تصوف کو شریعت اور طریقت سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ولی اللہ کی بارہ صفات بتائی ہیں یعنی وہ عیب پوش، رحمدل، شفیق، رفیق، حق پسند، حق گو، نیکی کا مبلغ، برائیوں سے روکنے والا، شب بیدار، عالم، شجاع اور غریب پرور ہوتا ہے۔ [۲۳] لکھتے ہیں کہ:

> تصوف کی راہ پر چلنے والوں کو چاہیے کہ دوسروں کے ساتھ جواں مردی اور سخاوت سے پیش آئے اور اپنے اوپر ان کو ترجیح دے اور ان سے کوئی تقصیر سرزد ہوئی ہو تو ان کو معاف کر دے اور ان کی خدمت کی شرط بجالائے اور ان کا ساتھ دے اور ان پر کوئی اپنا حق ثابت نہ کرے اور نہ ہی ان سے اپنا حق مانگے۔ سچائی سے محبت رکھے اور جو کچھ وہ کہیں ان سے موافقت اختیار کرے۔ دوسروں سے مخالفت مجادلہ اور نفرت نہ کرے اور ان کے عیبوں سے چشم پوشی کرے۔ کسی سے حسد نہ کرے اور اگر کسی بری بات کے سبب سے کسی دل پر کلفت کا غبار بیٹھ جائے تو اس سے اس طرح خوش خوئی سے باتیں کرے کہ اس کے دل کا جس قدر رنج اور غبار ہو وہ تمام جاتا رہے اور اگر کسی سے کوئی شکایت ہو تو اس کو اپنے دل میں جگہ نہ دے اور ان پر ظاہر کرے کہ گویا کچھ نہیں ہوا۔ [۲۴]

حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتیؒ اور علامہ ابن جوزیؒ آپ کے ہم عصر تھے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اوائل عمر میں علم کلام و فلسفہ سے بہت شغف رکھتے تھے اور علم کلام کی کئی کتابیں حفظ کر کے اس میں درجہ

کمال حاصل کرلیا تھا۔ آپ کے چچا آپ کو اس کے نقصانات سے آگاہ کرتے لیکن وہ باز نہ آتے۔ ایک دن چچا انہیں پکڑ کر حضرت غوث اعظم کی خدمت میں لے گئے اور ماجرا بیان کیا۔ آپ نے شیخ شہاب الدینؒ کو اپنے پاس بلایا اور ان کے سینے پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ ہاتھ کے پھیرتے ہی علم کلام سینے سے محو ہو گیا اور اس کی جگہ علوم معرفت سے سینہ لبریز ہو گیا۔ آپ نے حضرت شہاب الدین سہروردیؒ سے کہا کہ وہ عراق میں بڑا نام پائیں گے۔ چنانچہ شیخ شہاب الدین سہروردی سلسلۂ سہروردیہ کے بانی ہوئے اور اپنے وقت کے شیخ الشیوخ کہلائے۔ حضرت معین الدین چشتی اس وقت جوان تھے اور خراسان کے پہاڑوں میں مجاہدہ میں مشغول تھے جب حضرت غوث اعظمؒ نے یہ ارشاد کیا کہ میرا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے چنانچہ آپ نے اپنا سر جھکا دیا۔ علامہ ابن جوزی مشہور محدث، مؤرخ اور فقیہہ تھے۔ شروع میں غوث اعظم کے مخالف تھے مگر بعد ازاں ان کے تبحر علمی کے قائل ہو گئے۔ [۲۵]

قصیدہ غوثیہ

حضرت سیدنا غوث اعظم نے عربی میں اشعار بھی کہے۔ قصیدہ غوثیہ ان کے معرکتہ الآراء عربی اشعار کا مجموعہ ہے جو حالت جذب میں آپ کی زبان سے صادر ہوئے۔ یہ اشعار عربی فصاحت و بلاغت کا ایک نادر شاہکار ہیں اور ان کے پڑھنے سے طبعیت پر عجیب اثر ہوتا ہے۔ یہ قصیدہ جلالی و جمالی دونوں اثرات کا حامل ہے۔ طالب ہاشمی نے اپنی کتاب میں یہ قصیدہ بمع اردو ترجمے کے دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگ اسے سیدنا غوث اعظم کی تصنیف تسلیم نہیں کرتے۔ [۲۶]

حوالہ جات

۱۔ Philip K. Hitti. *History of the Arabs* , London, 1974, The Macmillan Press, p. 436.

۲۔ محمد احسن بٹ، (ترجمہ)، کیرن آرمسٹرانگ، اسلام، لاہور، نگارشات، ۲۰۰۳ء، ص ۹۶۔۹۷۔

۳۔ دائرہ معارف اسلامیہ۔ ۱۲:۹۲۵۔

۴۔ عبدالجلیل قریشی، امام حنبل، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۷۰ء، ص ۵۵، ۸۵، ۸۷۔

۵۔ شاہ معین الدین احمد ندوی (مرتب)، تاریخ اسلام، جلد چہارم نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء۔

۶۔ عزیز ملک، غوث پاک، راولپنڈی، بیاس، ت ن، ص ۱۳۔۱۵۔

۷۔ تذکرہ قیدنا غوث اعظم، لاہور، شعاع ادب، ت، ن، ص ۶۸۔۷۰۔

۸۔ طالب ہاشمی، حوالہ سابقہ، ص ۶۸۔۷۰۔

۹۔ عزیز ملک، حوالہ سابقہ، ص ۱۹۔۴۷۔

۱۰۔ ایضاً۔

۱۱۔ عزیز ملک، حوالہ سابقہ، ص ۱۹۔

۱۲۔ طالب ہاشمی، حوالہ سابقہ۔

۱۳۔ عزیز ملک، حوالہ سابقہ، ص ۴۷۔۴۸۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۵۰۔

۱۵۔ دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۲: ۹۳۳۔

۱۶۔ دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۲: ۹۲۴/۹۳۱۔

۱۷۔ طالب ہاشمی، حوالہ سابقہ، ص ۱۰۱۔

۱۸۔ دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۲: ۲۹۶/۲۹۷۔

۱۹۔ ایضاً، ۱۲: ۹۳۳۔

۲۰۔ شیخ عبدالقادر جیلانی، غنیۃ الطالبین، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ۱۳۹۴ھ، ص ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۶۳۔

۲۲۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، مترجم (عارف نوری)، شرح فتوح الغیب، لاہور، مشتاق بک کارنر، ۱۹۹۹ء، ص ۳۰۵۔

۲۳۔ طالب ہاشمی، حوالہ سابقہ، ص ۲۴۱۔

۲۴۔ شیخ عبدالقادر جیلانی، غنیۃ الطالبین، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ۱۳۹۴ء، ص ۶۷۱۔

۲۵۔ طالب ہاشمی، حوالہ سابقہ، ص ۱۹۸، ۱۳۱، ۱۳۹۔

۲۶۔ ایضاً، حوالہ سابقہ، ص ۲۴۶۔